

معاصر پاکستانی فارسی شعرا کا ایرانی شعرا سے اظہار عقیدت

ڈاکٹر شگفتہ رعنا

لیکچرار فارسی، گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین فیروزوالہ، شیخوپورہ

ڈاکٹر عظمیٰ زریں نازیہ

اسسٹنٹ پروفیسر فارسی، اورینٹل کالج، لاہور

POETIC TRIBUTE TO IRANIAN POETS BY CONTEMPORARY PERSIAN POETS OF PAKISTAN

Shaguftah Ra'ana, PhD

Lecturer in Persian,

Govt. Degree College (W) Ferozwala, Shaikhopura

Uzma Zareen Nazia, PhD

Assistant Professo Persian,

University of the Punjab, Lahore

Abstract

In Sub-continent, it was a common perception that with the downfall of "Mughal Dynasty" in 1857 A.D, Persian language vanished totally and replaced by English language. Though English language became official language but befor it for thousands of years the land of Sub-continent have been fertilized and watered by Persian thought and art and Persian enjoyed the status of official, legal and cultural language of this area. A remarkable asset of Persian poetry can be seen in 20th ceturey. Almost all contemporary Pakistani Persian poets have followed Sa'adi, Rumi, Hafiz and Jami etc and paid homage to these great poets.

Keywords:

بہادر شاہ ظفر، برصغیر، سندھ، حیدر آباد دکن، ایرانی شعرا، فارسی، اردو

برصغیر پاک و ہند میں تقریباً ایک ہزار سال تک فارسی سرکاری اور اداری زبان رہی۔ فارسی زبان سندھ کے راستے برصغیر میں داخل ہوئی۔ مغلیہ دور کے اختتام تک برصغیر میں فارسی زبان و ادب کا دور دورہ تھا۔ بہت سے شاعر ادیب ایران سے ہجرت کر کے برصغیر میں آئے اور بہت نام اور دولت کمائی۔ ۱۸۵۷ء میں سراج الدین بہادر شاہ ثانی ظفر کی معزولی کے بعد سرزمین ہند انگریزوں کے زیر تسلط آگئی اور ان کی حکومت کا پایہ تخت لندن قرار پایا۔ لیکن چونکہ مغل حکمران فارسی زبان و ادب اور رسوم کو پسند کرتے تھے اس لیے اس مزدبوم میں فارسی اچھی طرح جڑیں پکڑ چکی تھی۔ انگریزوں کی کوشش کے باوجود فارسی برصغیر میں پھلتی پھولتی رہی۔ (۱)

مقالے میں صرف بیسویں صدی کے شعرا کو شامل کیا گیا ہے وہ بھی چند ایک تاکہ قرطاس پر ایک نقش ابھر آئے جو آج کی فارسی شاعری میں ایران دوستی اور اساتذہ سے عقیدت کے جذبے کو مجسم کر دے۔ پاکستان کے بیسویں صدی کے تقریباً ہر شاعر نے اپنی شاعری میں ایرانی کلاسیکل شعراء سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

غلام قادر گرامی: ریاست حیدر آباد دکن (ہندوستان) کے میر محبوب علی خان اور اس کے بیٹے میر عثمان علی خان کے دربار کے ملک الشعراء، ابوالاثر حفیظ جالندھری (۱۹۰۰-۱۹۸۲ء) اور عزیز الدین عظیمی (۱۸۹۸-۱۹۵۷ء) جیسے نابغہ ہائے روزگار کے استاد ”غلام قادر“ جو اپنے تخلص ”گرامی“ سے معروف ہیں۔ ۱۸۵۶ء میں جالندھر، ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ (۲) والد گرامی کا نام ”سکندر بخش“ تھا۔ ”گرامی“ گلستان، بوستان اور سکندر نامہ جیسی کتابیں بچپن میں ہی خلیفہ ابراہیم جالندھری سے پڑھ چکے تھے۔

ابتدائی تعلیم چودہ سال کی عمر میں مکمل کرنے کے بعد منشی عالم اور منشی فاضل کا امتحان اور نیشنل کالج پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔ کالت کی ڈگری بھی حاصل کی۔ (۳) امرتسر، لدھیانہ اور کپورتھلہ میں مختلف ہائی سکولوں میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ چار سال تک نواب فتح علی خان قزلباش (۱۸۶۲-۱۹۲۳ء) کے استاد بھی رہے۔ گرامی کی وفات ۱۹۲۷ء میں شوگر کے مرض سے ہوئی اور ہوشیار پور ہندوستان میں دفن ہوئے۔ (۴)

گرامی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے لیکن ان کا دیوان صرف فارسی زبان کے اشعار پر مشتمل ہے۔ ان کا فارسی دیوان شیخ مبارک علی اینڈ سنز، لاہور سے شائع ہوا۔

یہ دیوان مثنویات، خمریات، مناقب ائمہ اطہار، قطعات، مرثی، غزلیات اور قصائد پر مبنی ہے۔ رباعیات گرامی بھی شیخ مبارک علی اینڈ سنز لاہور نے شائع کیں۔ رباعیات کی کل تعداد ۳۲۰ ہے۔ نعتیہ رباعیات کی تعداد زیادہ ہے۔

گرامی نے حافظ، نظیری، ظہوری، صائب اور غالب کی تضمین کی ہے لیکن اس کی بیشتر غزلیات حافظ کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ جہاں مولانا روم کا نام آتا ہے تو گرامی جھوم اٹھتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے انکسار سے جھکا جاتا ہو۔ اس کے منہ سے الفاظ یوں جھڑتے ہیں جیسے پھول یا یوں کہیے کہ سفید نورانی موتیوں کی برسات جو ایک کے بعد ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں۔

اگرچہ برصغیر کے تقریباً سب شعرا نے سعدی، رومی، حافظ اور جامی کا نام لیا لیکن گرامی کا اظہار محبت و عقیدت جداگانہ ہے۔ گرامی نے پہلے تو بحر معرفت مثنوی معنوی میں غوطہ زنی کی اور پھر پکاراٹھے۔

گوشہ چشم جلال الدین روم سینہ ام را می کند کانِ علوم
جذبہ پنہان مولانا حسام از نگاہی کرد ناقص را تمام (۵)

سبحان اللہ جلال الدین رومی کا مرتبہ یوں بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے صرف گوشہ چشم سے نگاہ کی اور میر سینہ علم کی کان بن گیا۔ بے شک عارف کی ایک نگاہ ہی تقدیر بدلنے کے لیے کافی ہے۔ گرامی مثنوی معنوی کی پیروی میں قلم اٹھاتے ہیں اور لکھتے ہیں:

باز شوقی زخمہ بر تارم زند باز ذوقی گل بہ دستارم زند
باز گردیدم بہ جذبات کمال بی خود انداز مولانا جلال (۶)

مثنوی کے اسرار و رموز کا بیان لکھتے لکھتے ہاتھ روک لیتے ہیں اور کہتے ہیں:

(اردو ترجمہ) میرے منہ میں خاک اگر میرے سر میں مثنوی معنوی کا جواب لکھنے کا سودا سمایا ہو۔

گرامی کو مولوی سے کیا نسبت؟ (۷)

میں بھلا مثنوی معنوی کا جواب دینے کی جسارت کیسے کر سکتا ہوں؟

ہین چہ پنداری کہ آوردم کتاب	مثنوی مولوی را در جواب
من مثال ذرہ او خود آفتاب	او تلاطم ہای دریا من حباب
مولوی دریاست من از قطرہ کم	من گیاہی خشک او ابر کرم
مولوی مقبول و من مردود یار	من خزان دیدہ چمن او خود بہار
مولوی از رمز عشق آگاہ بود	شمس تبریزش چراغ راہ بود
من ز خاک جہل او شہر علوم	اللہ اللہ من ز پنجاب او ز کردم
من مثال ذرہ او خر من بہ اصل	من گرفتار فراق او مجو وصل (۸)

ان اشعار میں کمال عقیدت ہے:

کہاں مولانا کہاں میں وہ دریا میں قطرہ، وہ ابر کرم میں گیاہ خشک، وہ آفتاب میں ذرہ، وہ ٹھانیں

مارتاسمندر میں معمولی حُباب، وہ مقبول میں مردود، وہ بہار میں اجڑا چمن، وہ رموز عشق سے آگاہ اور شمس تبریز اس کا چراغِ راہ، میں جاہل مٹھی بر خاک اور وہ شہر علوم، اللہ اللہ میں خاک پنجاب اور وہ مولائے روم، گرامی انتہائے اخلاص اور عقیدت میں پکاراٹھتے ہیں میں ایک ذرہ وہ خرمن ہیں میں مجبور اور وہ مقبول ہیں۔ ایسا جداگانہ انداز ہے کہ جس نے مثنوی معنوی نہیں پڑھی اسے بھی پڑھنے کی خواہش ہو۔ اسی طرح گرامی نے جو ”قسمیہ“ کے عنوان سے ظہوری کے قسم نامہ کا جواب لکھا ہے وہ بے مثال ہے۔

بطور نمونہ قسمیہ سے دو شعر درج ہیں:

بہ بیتابی جرم ناکردگان بہ بی رحمی ناز پروردگان
بہ دلجوئی قدرِ رعنائے یار بہ طرّاری طرّہ مشکبار
بشوقی کہ دلہا بہ جوش آورد بدوقی کہ جان در خروش آورد (۹)
عرفی سے اظہار:

بصورت جانشینِ عرفیم در معنیم عرفی کہ گردد مستقل قائم مقام آہستہ آہستہ (۱۰)
اور اس رباعی میں نظامی اور جامی کے انداز پر شیفنگی دیکھیے:

باری مژہ واکن کہ گرامی مانیم دیوانہ انداز نظامی مانیم
گوئیم قصیدہ و رباعی و غزل مست می خنجانہ جامی مانیم (۱۱)

علامہ محمد اقبال لاہوری: عظیم فلسفی، قانون دان، محقق، سیاست دان، ادیب اور اردو اور فارسی زبان کے شہرہ آفاق شاعر علامہ محمد اقبال جو شاعر مشرق، حکیم امت اور مصوّر پاکستان جیسے القابات سے معروف ہیں، ۹ نومبر ۱۸۷۷ء میں پاکستان کے شہر سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ اقبال کے آباؤ اجداد کشمیری برہمن تھے جو مسلمان ہو گئے اور کشمیر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ میں آباد ہو گئے تھے۔ (۱۲) اقبال نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں ہی حاصل کی۔ یہیں مولوی میر حسن سے اردو، عربی اور فارسی ادب پڑھا۔ (۱۳) اسکاچ مشن کالج سے ایف۔ اے کرنے کے بعد ۱۸۹۵ء میں اقبال نے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا جہاں ان کی ملاقات سر تھامس آرنلڈ سے ہوئی اور ۱۸۹۹ء تک بی۔ اے اور ایم۔ اے کی ڈگریاں عربی اور فلسفہ کے مضامین میں نمایاں کامیابی کے ساتھ حاصل کیں۔ (۱۴)

۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۵ء تک اورینٹل کالج سے میکلوڈ عربک ریڈر کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ ۱۹۰۵ء میں اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے کیمبرج یونیورسٹی لندن تشریف لے گئے جہاں فلسفہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ لنکوزن (Lincoln's inn) سے بار ایٹ لاء کا امتحان بھی پاس کیا۔ (۱۵) ۱۹۰۷ء میں میونخ یونیورسٹی جرمنی میں اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ ”مابعد الطبیعات در ایران“ پیش کیا اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۰۸ء میں وطن واپسی پر اقبال نے گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ فلسفہ کے صدر کے حیثیت سے کام شروع کیا لیکن دو سال بعد ہی چھوڑ دیا اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ (۱۶) ۱۹۲۳ء میں حکومت برطانیہ نے اقبال کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں ”سر“ کے خطاب سے نوازا۔ ۱۹۲۷ء میں مجلس قانون ساز پنجاب کے رکن بنے۔ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے صدر بنے۔ ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء میں مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے گول میز کانفرنس میں شرکت کی۔ (۱۷)

اقبال نے ۱۹۳۸ء میں ۶۱ برس کی عمر میں وفات پائی۔ (۱۸) ان کا مزار بادشاہی مسجد کے پہلو میں ہے۔ اقبال کا کلام اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اقبال کا تین چوتھائی کلام فارسی زبان میں ہے۔ ذیل میں اقبال کے صرف منظوم آثار کے نام درج ہیں۔

فارسی کے مجموعہ ہائے کلام اس طرح سے ہیں:

اسرار خودی (۱۹۱۵ء)، رموز بیخودی (۱۹۱۸ء)، پیام مشرق (۱۹۲۲ء)، زبور نجم (۱۹۲۷ء)، جاوید نامہ (۱۹۳۳ء)، مثنوی مسافر (۱۹۳۴ء)، مثنوی پس چہ باید کرد (۱۹۳۶ء) اور ارغمان حجاز جو اقبال کا آخری شعری مجموعہ ہے (لاہور ۱۹۳۸ء) ہیں۔

اردو کے مجموعے: بانگ درا (نصف اردو ۱۹۲۴ء)، بال جبریل (۱۹۳۵ء)، ضرب کلیم (۱۹۳۶ء)۔ فارسی اسلام کی دوسری بڑی زبان ہے۔ اقبال نے نہ صرف اپنی فارسی شاعری کے ذریعے اپنا پیغام تمام امت مسلمہ کو پہنچایا، بلکہ برصغیر میں نیم مردہ فارسی زبان کو زندہ کر دیا۔

اقبال نے اردو میں بھی شعر کہے لیکن فارسی پر ناز کیا اور شیریں تر کہا:

گرچہ ہندی در عذوبت شکر است طرز گفتارِ درِ شیرین تر است (۱۹)
ایرانی شعرا کا کلام، سعدی، عطار، رومی، حافظ، جامی، عرفی، فیضی، اقبال کے زیر مطالعہ رہے۔ اقبال کی شاعری میں جا بجا ایرانی شعرا کی شاعری کی تضمین یا ان کی تعریف دکھائی دیتی ہے۔ وہ کھلے دل سے ایرانی شعرا کے فکری و فنی محاسن کی تعریف کرتے ہیں۔

”اقبال در راہ مولوی“ از ڈاکٹر سید محمد اکرم شاہ اکرام رومی اور اقبال کے فکری و معنوی اشتراکات اور اقبال پر رومی کے اثرات کا بہترین جائزہ ہے۔ اقبال کی رومی سے عقیدت بلاشبہ ایک پی ایچ ڈی کا موضوع ہے لہذا یہاں صرف چند مثالوں پر ہی اکتفا کیا جائے گا۔ اقبال نے اسرار خودی کے آغاز میں انسانِ کامل کی تلاش میں جو تین اشعار درج کیے ہیں وہ بھی مولانا جلال الدین رومی کے ہیں۔ جاوید نامہ میں اقبال نسلِ نو کو نصیحت کرتے ہیں کہ رومی کو اپنا رفیق راہ بناؤ چونکہ وہ واقف اسرار و رموز ہے:

رومی:

پیرِ رومی را رفیقِ راه ساز تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
زانکہ رومی مغز را داند ز پوست پائے او محکم فتنہ در کوی دوست (۲۰)
نکتہ ہا از پیرِ روم آموختم خویش را در حرفِ او واسوختم (۲۱)
”مثنوی پس چہ باید کردای اقوام شرق“ کی تمہید میں لکھتے ہیں:

پیرِ رومی مرشدِ روشن ضمیر کاروانِ عشق و مستی را امیر
منزلش بر تر ز ماہ و آفتاب خیمہ را از کہکشاں ساز و طناب
نورِ قرآن در میانِ سینہ اش جامِ جم شرمندہ از آئینہ اش (۲۲)
اقبال کی معروف غزل:

چون چراغِ لالہ سوزم در خیابانِ شما ای جوانانِ نجمِ جانِ من و جانِ شما (۳۲)
حافظ شیرازی کی اس غزل کی زمین میں ہے:

ای فروغِ ماہِ حسن از رویِ رخشانِ شما آبِ رویِ خوبی از چاہِ زرخندانِ شما
سنائی: سنائی کے مزار پر حاضری دی اور عرض کی:

ای ”حکیمِ غیب“ امامِ عارفان پختہ از فیض تو خامِ عارفان
آنچہ اندر پردہٴ غیب است گو بو کہ آبِ رفتہ باز آید بہ جو (۲۳)
عرفی:

عجم از نغمہ ام آتش بہ جان است صدایِ من در ایِ کاروان است
حدی را تیز تر خوانم چو عرفی کہ رہ خوابیدہ و محملِ گران است (۲۵)
نظیری:

بہ ملکِ جمِ ندھم مصرعہٴ نظیری را کسی کہ کشتہ نشد از قبیلہٴ مانیس (۲۶)
جامی:

مرا از منطقِ آید بویِ خامی دلیلِ او دلیلِ ناتمامی
بہ رویم بستہ درہا را گشاید دو بیت از پیرِ رومی یاز جامی (۲۷)

اقبال شورِ رومی، سوزِ خسرو، عرفانِ سنائی و عطار اور جامی کے فلسفہ و منطق کے قائل ہیں۔ ارادت کا اظہار کبھی تضمین کی صورت میں کیا ہے تو کبھی باقاعدہ تمہید ہے۔

مولانا عزیز الدین احمد عظامی: عظامی مولانا غلام قادر گرامی کے شاگرد و جانشین ہیں۔ باکمال فارسی گو شاعر ہیں۔ ان کا نام عزیز الدین اور عظامی تخلص۔ ۱۸۹۸ء کو ہوشیار پور کے ایک قصبے بُدلہ (جالندھر، ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد الہی بخش عالم دین اور طبیب تھے۔ (۲۸) قرآن مجید اور فارسی صرف و نحو کی تعلیم اپنے والد گرامی سے حاصل کی۔ (۲۹) ۱۹۰۴ء میں ان کے والد وفات پا گئے اور ۱۹۰۹ء میں کفالت کرنے والے بڑے بھائی بھی انتقال کر گئے۔ عظامی نے ابتدائی تعلیم رائے پور گوجراں کے دینی مدرسے سے حاصل کی۔ مولانا حافظ محمد صالح اور مفتی فقیر اللہ سے بھی فیض پایا۔ (۳۰) دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن گنگوہی اور غلام سید انور شاہ کشمیری سے دورہ علم و حدیث مکمل کیا۔ (۳۱) ۱۹۱۵ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ بعد ازاں پنجاب یونیورسٹی سے مثنیٰ فاضل کیا اور ہوشیار پور کے ہائی سکول اور پنجاب کے مختلف ہائی سکولوں میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۷ء میں مولانا عظامی ہوشیار پور سے ساہیوال منتقل ہوئے اور منگمری ہائی سکول سے وابستہ ہوئے اور وہیں سے ۱۹۵۳ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ عظامی نے ۱۹۵۷ء میں وفات پائی اور ساہیوال ہی میں دفن ہوئے۔ (۳۲) مولانا عظامی نے ایک فارسی کلیات یادگار چھوڑا ہے۔ ”کلیات عظامی“ کی خاص بات یہ ہے کہ یہ کلیات خط نستعلیق میں خود عظامی کا دست نویس ہے۔ اس کا مقدمہ صدر شعبہ فارسی کراچی یونیورسٹی، ڈاکٹر غلام سرور کا لکھا ہوا ہے۔

کلیات عظامی نعت، قصاید، مناقب، مرثی، مثنویات اور متفرقات وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں اردو میں بھی شعر کہے لیکن فارسی کی طرف میلان زیادہ رہا۔ نعت گوئی میں اپنی مثال آپ تھے۔ عظامی نے صنف غزل میں نظیری، عراقی، حافظ اور بیدل کی پیروی کی ہے، اور قصائد میں عربی اور قافی کا رنگ ہے۔ اور بلاشبہ کسی کی پیروی میں شعر کہنا اس کو خراج تحسین پیش کرنے کے مترادف ہے۔ عظامی بعض جگہ ایرانی شعرا کے نام کے ساتھ داد و تحسین دیتے نظر آتے ہیں اور بعض جگہ اشعار کا پیوند لگاتے ہیں۔ بطور مثال:

این مصرعہ استاد نظیری ز خودم برد ”عشق است طلسمی کہ در و بام ندارد“ (۳۳)

اور یہ شعر جس میں ان کی بلند پایگی اور اپنی کم مائیگی کا اقرار ہے۔

جواب خواجہ نظیری و حضرت غالب نہ حد تست عظامی عجب ازین دہرم (۳۴)

سعدی کو یوں خراج تحسین پیش کر رہے ہیں:

ندانی کہ سعدی چہ خوش گفتہ است چہ دُرّ یتیمی سخن سفتہ است

”چو بنی یتیمی سر افگندہ پیش مدہ بوسہ بر روی فرزند خویش

عظامی بہ آثار سعدی برو کہ ہر دو جہان را بگیرد (۳۵)

عبدالحمید ساک: فارسی اور اردو کے شاعر اور مایہ ناز صحافی عبدالحمید ساک ۱۸۹۴ء میں ضلع گورداسپور کے علاقے ”بٹالہ“ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد غلام قادر پٹھانکوٹ میونسپل کمیٹی کے سیکرٹری تھے۔ (۳۶) عربی اور فارسی کے بڑے عالم دین میاں میر محمد ان کے دادا تھے۔ عبدالحمید نے دونوں زبانوں میں ساک تخلص اختیار کیا۔ پٹھانکوٹ میں اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بطور سکول ٹیچر کام کرنے لگے۔ (۳۷)

۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۰ء تک مختلف ماہناموں، روزناموں اور مجلات کے ایڈیٹر رہے جن میں فانوس خیال، تہذیب نسواں، پھول وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۱۹۲۱ء میں روزنامہ ”زمیندار“ کے ایڈیٹر ہوئے۔ (۳۸) ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۹ء تک روزنامہ انقلاب چھاپتے رہے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم پاکستان کے بعد ساک کراچی میں اقامت پذیر ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں لاہور منتقل ہو گئے (۳۹)۔ اور ۶۵ سال علم و ادب کی خدمت کرنے کے بعد ۱۹۵۹ء میں انتقال کر گئے، اور مسلم ٹاؤن لاہور میں دفن ہوئے۔ (۴۰)

ساک کی نثری تصانیف یہ ہیں: سرگزشت (لاہور ۱۹۵۵ء)، یاران کہن (لاہور ۱۹۵۵ء)، ذکر اقبال (لاہور ۱۹۵۵ء)، تاریخ ثقافت اسلامی در ہند، اسلام و مسلمان (لاہور ۱۹۵۰ء)۔

ان کی فارسی اور اردو شاعری کا مجموعہ ”راہ و رسم منزل ہا“ کے عنوان سے ۱۹۲۲ء میں چھپا۔ ان کے بیٹے عبدالسلام خورشید نے ۱۹۶۰ء میں دوسری بار شائع کیا۔ ”راہ و رسم منزل ہا“ اردو اور فارسی کی غزلیات، نظمیں، رباعیات اور متفرق اشعار پر مشتمل ہے۔ ساک نے ۱۹۰۸ء میں شعر کہنا شروع کیا جب انکی عمر صرف چودہ سال تھی۔ پٹھانکوٹ اور بٹالہ کے مشاعروں میں شرکت بھی کرنے لگے۔ (۴۱) ساک نے پہلے پہل علامہ محمد اقبال سے شاعری کی اصلاح کے لیے درخواست کی لیکن اقبال نے ساک کی شاعری کی تعریف کرتے ہوئے رسا رام پوری سے اصلاح لینے کا مشورہ دیا۔ (۴۲)

رسانے تقریباً ڈیڑھ سال بعد ہی ساک کی شاعری کو اصلاح سے بے نیاز قرار دے دیا۔ ساک نے ”خیر مقدم وفد فرہنگی“ کے عنوان سے ایک نظم لکھی جس میں ایران کے اہل علم و دانش کا خیر مقدم خوبصورت الفاظ میں کیا ہے:

ای حاملانِ دانش ایران خوش آمدید	در علم با شما کہ تواند برابری
ملک شامست رہبر سگانِ ارضِ پاک	ز ایران گرفتہ ایم متاعِ سخن وری
آموختیم فلسفہ و حکمت و غزل	از حافظ و نظامی و سعدی و انوری
از پارس گشتہ ایم زِ کامل العیار	از چرک خالی و از غل و غش بری
مانیم قدر دان و خریدارِ یک دگر	مانیم ہر دو گوہر و ہم ہر دو جوہری (۴۳)

ہر کسی کا اظہار کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ سالک کبھی کبھی ایرانی شعرا سے اردو میں بات کرتے دکھائی دیتے ہیں اور فارسی شاعر کا جواب فارسی میں ہی نقل کرتے ہیں۔ حافظ شیرازی کے ساتھ انھوں نے بارہا ایسا انداز اپنایا ہے۔ ”پیامِ حافظ“ کے عنوان سے ایک اردو نظم ہے جس میں وہ خود تو اردو زبان میں حافظ سے دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرتے ہیں لیکن پھر حافظ کی فارسی غزل کا پیوند جواب کے طور پر لگاتے ہیں۔ پیامِ حافظ:

روح حافظ سے کہا میں نے کہ اے عشق طراز تیرا سینہ ہے نہاں خانہ اسرارِ نیاز
عشق کیا چیز ہے اک محبتِ حرماں انجام صرف تعمیرِ اجل خال و خطِ حسنِ حجاز
جامِ ہستی کا نتیجہ ہے جو خمیازہ مرگ ایسی مے پر تو نہیں چاہئے فتوائے حجاز
سن چکا جب یہ خرافاتِ ہلاکتِ تاثیر ہنس کے کہنے لگا وہ نازشِ خاکِ شیراز
”خیزو در کاسہ زر آبِ طربناک انداز پیش از اینکه شود کاسہ سر خاک انداز
عاقبت منزلِ ما وادیِ خاموشان است حالیا غلغلہ و گنبدِ افلاک انداز (۴۴)

فیروز الدین رازی: فیروز الدین (۱۹۱۳-۱۹۶۷ء) فارسی اور اردو زبان کے شاعر ہیں جنھوں نے ”رازی“ تخلص اختیار کیا۔ والد کا نام میاں گل محمد تھا۔ امرتسر سے میٹرک کیا۔ فارسی فاضل، بی۔ اے اور ایم اے فارسی کیا۔ مسلم ہائی سکول امرتسر میں ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۵ء تک پڑھاتے رہے۔ ۱۹۴۵ء میں شاہ پور کالج اور ۱۹۵۲ء سے تادم مرگ گورنمنٹ کالج لاہور سے وابستہ رہے۔ صدر شعبہ فارسی کے فرائض بھی انجام دیے۔ ان کا کوئی مطبوعہ کلام موجود نہیں۔ لیکن ان کی ادبی خدمات کے حوالے سے ۱۹۹۲ء میں شعبہ فارسی اور نیٹل کالج میں ایم۔ اے کی سطح پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا گیا۔ (۴۵)

رازی نے زیادہ غزل، قصیدہ اور مثنوی میں طبع آزمائی کی۔ رودکی، حافظ اور اقبال کی پیروی میں شعر کہے اور معروف شعراء کو خراج عقیدت بھی پیش کیا۔ ان کی شاعری کا موضوع زیادہ تر سرزمینِ ایران، ایران کے استاد، شعراء، شہنشاہ یا ایرانی وفود کی آمد اور مہین پرستی وغیرہ ہیں۔ ایران اور ایرانی شعرا سے متعلق کچھ شعر بطور نمونہ ذیل میں درج ہیں:

سلام، ارضِ پاک کسری و جم و دارا سلام ما بہ سلطانِ ہنر پرور عجم آرا
سلام ما بہ محبوبِ دلآرایِ سخا گستر بہار گلشنِ ایران بہ باغِ شہِ گل خوشتر
سلام ما بہ ارواحِ بہار و رومی و سلمان بہ استادِ سخنِ سعدی و ہم خاقانی شروان
سلام ما بہ روحِ حافظ و فردوسی و جامی سخنِ گویانِ ایرانی بہ دنیایِ ادبِ نامی
سلام ما بہ ارواحِ دقیق، عنصری طوسی بہ دلِ داریم از ایشان رغبتِ آن آستانِ بوسی (۴۶)

ظہور الدین احمد لکھتے ہیں کہ ”فیروز الدین رازی نے دو تین بار ایران کا سفر بھی کیا۔ انجمن دوستی ایران و پاکستان کے سیکرٹری رہے۔ خانہ فرہنگ ایران کے بھی عارضی طور پر نگران رہے۔ انجمن ترقی اردو امرتسر کے بھی اساسی رکن تھے۔“ (۴۷)

رازی نے بہت سی نصابی کتب لکھیں اور مرتب کیں جو ذیل میں درج ہیں:

خود آموز فارسی حصہ اول خود آموز فارسی حصہ دوم، آموزگار فارسی، دستہ گل (نہم دہم کا فارسی نصاب ۱۹۲۲ء)، قند پارسی (سیکنڈری سکول کے لیے) فرہنگ نامہ جدید فارسی، اردو، انگریزی ۱۹۵۲ء میں چھپی۔ گنج دانش بی اے سال اول کے لیے پنجاب یونیورسٹی کا مجوزہ نصاب، کتاب فارسی (برائے کلاس ہشتم ۱۹۶۳ء)۔

وہ ایرانی شعراء کو آسمان پر چمکتے ستاروں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ کہیں ان کو ”تاجدارانِ سخن“ کے نام سے مخاطب کرتے ہیں تو کہیں طوطیانِ نغز، گو اور بلبلانِ خوش بیان کی تراکیب لاتے ہوئے کہتے ہیں:

خفتہ اندر خاک تو بس تاجدارانِ سخن طوطیانِ نغز گو و بلبلانِ خوش بیان
بر زمین تو فروغِ شاعرانِ مثلِ نجوم می نیارد کس زمین را فرق کرد از آسمان (۴۸)

ذہین تاجی: محمد طاسین (۱۹۰۷-۱۹۷۸ء) فرزند محمد دیدار علی فراقی کا تعلق قصبہ کھنڈیلہ جے پور سے تھا۔ ذہین تخلص کرتے تھے اور ”مولانا عبدالکریم شاہ تاجی“ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تو ”تاجی“ کہلائے۔ ذہین کا تعلق ایک دینی اور ادبی گھرانے سے تھا۔ والد بزرگوار بھی شعر کہتے تھے اور ان کا تخلص ”فراقی“ تھا۔ ذہین ایک درویش اور مضامین فقر و عرفان پر نظر رکھنے والی شخصیت تھے۔ انھیں عربی، فارسی اور علوم شرقی میں مہارت حاصل تھی۔ (۴۹) ۱۹۲۷ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ”جمال آیات“ ذہین کا فارسی مجموعہ کلام ہے۔ اردو میں دیگر کتب آیاتِ جمال (اردو غزلیات)، لمعاتِ جمال (مذہبیات اردو)، اجمالِ جمال (فصوص الحکم کا اردو ترجمہ) ہیں۔

ظہور الدین احمد، ذہین تاجی کا ایک جملہ نقل کرتے ہیں: فارسی زبانِ مادری مانیت، زمانِ علمی ماست و شعر را از شعرائِ قدیم ایران اختیار نموده ایم۔ (۵۰)

”بہ بزمِ رومی و حافظ شو، احسنت ہست

خوشا ذہین غزلِ ہای عارفانہ ما“ (۵۱)

ذہین کیا ہی اچھی ہیں ہماری عارفانہ غزلیں۔ حافظ کی صحبت اختیار کر۔ دراصل ذہین ایک صوفی تھے اور ایرانی صوفیائے فکر میں ہم آہنگی محسوس کرتے تھے۔

تقریباً برصغیر کے تمام شعرا نے رومی اور حافظ کے اشعار کو پڑھا اور روش کو اپنایا ہے۔ اور فن پر ان کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔

ضیاء محمد ضیاء: ضیاء محمد ضیاء (۱۹۲۸ء) چوہاں گاؤں قصبہ کنجاہ گجرات کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام عبدالرسول قریشی تھا۔ ضیاء نے ابتدائی تعلیم مولوی محمد حسن سے حاصل کی اور ۱۹۴۳ء میں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کیا اور ہائی سکول کی سطح پر مختلف علاقوں میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔ (۵۲) ضیاء محمد ضیاء کے منظوم آثار میں ارمغانِ عشق (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء) مجموعہ نعت ہے۔ دوسرا شعری مجموعہ کاروانِ فارسی (مطبوعہ ۱۹۷۵ء) اور تیسرا شعری مجموعہ ”نوائے شوق“ (مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۷۷ء) ہے۔ ضیاء کی شاعری میں ایرانی اساتذہ، شعراء اور ادباء کی شان میں قصائد اور خراج تحسین زیادہ تعداد میں نظر آتے ہیں۔ ان کی ایک نظم ”صہبائی سخن“ بطور نمونہ درج کی جا رہی ہے۔ ضیاء نے اس خوبصورتی سے تمام ایرانی شعرا کا ذکر کیا ہے کہ نظم میں سے کسی ایک شعر کا نکالنا بھی آہنگ و عقیدت کے سلسلے کی حسین کڑی میں خلل کا باعث ہوگا۔

صہبائی سخن

ز صہبائی سخن سرشار ہستم	ز جامِ رومی و عطار مستم
مرا سازست از فریاد لبریز	سرایم نغمہ ہا از روم و تبریز
نوائی من کہ ہست آتش بہ دامن	بود از پردہ سازِ خراسان
چو آہنگِ عراقی می کنم ساز	شوم با اہل عرفان نغمہ پرواز
چو در طرزِ مجازی باز گویم	سخن ہا از مقامِ راز گویم
بدہ جام از می دیگر بہ دستم	کہ من از بادہ شیراز مستم
دلی دارم فدای نامِ حافظ	چشیدم جرعه ہا از جامِ حافظ
نہستم سالہا بر خوانِ سعدی	بسی گل چیدم از بہستانِ سعدی
ورق خوان از گلستانِ بودہ ام من	بہ بر اندر دبستانِ بودہ ام من
ز رومی ذوقِ روحانی گرفتم	شرابِ تند عرفانی گرفتم
چو رستم با ارادت پیشِ عطار	شدم از رو حیاتِ مست و سرشار
خرد اندوختم از ”منطق الطیر“	صفا آموختم ز اقوالِ بوالخیر
شدم رو تازہ از فیضِ نظامی	مرا جام از محبتِ داد جامی
”بہارستان جامی“ چیست ای دوست	سراسر مغزِ دانش ہست بی پوست

ز سیر گلشن شعر سنائی سیاست نامہ طوسی چو خواندم
 مرا گر فکر روشن طبع عالی ست غزالی ہر چہ می جستم مرا داد
 چو بودم از شراب شعر مخمور شدم چون ہمنشین ابن بیین را
 مرا شعر عراقی جسم و جان سوخت ز خاقانی و فردوسی و خیام
 کلام فرخی سیتانی ز قآنی سخن آموختم من
 دلم بشگفت از اشعارِ سرمد ثنا خوان بہار و دھندایم
 نظیری ، ہاقدی ، بیدل ، رضایی حزین و صائب و فیضی و قدسی
 ظہیر و عارف و عشقی و مخفی غنی و شبلی و اقبال و غالب
 علی و محسن و مسعود و آزاد ہمہ انہما بر ایم اوستادند
 ز سوزِ این ہمہ آتش بہ جانم

خدا بر خاکِ شان رحمت بہاراد

بہ گیتی نامِ شان روشن بما ناد (۵۳)

سید محمد اکرم شاہ اکرام: سید محمد اکرم شاہ پاکستان کے معاصر فارسی اور اردو زبان کے شاعر اور اقبال شناس
 مونگٹا نوالہ، شیخوپورہ، پاکستان میں ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے، شاعری میں اکرام، تخلص کرتے ہیں۔ (۵۴)
 میٹرک تک تعلیم شاہدرہ ہائی سکول سے حاصل کی۔ ۱۹۵۵ء میں ایف سی کالج سے ایف۔ اے کیا
 اور ۱۹۵۸ء میں بی۔ اے کیا۔ ۱۹۶۰ء میں فارسی زبان و ادب میں شعبہ فارسی اور نٹل کالج پنجاب یونیورسٹی میں
 فارسی زبان و ادب میں ایم۔ اے کیا اور ایران کی طرف سے وظیفہ پر تہران یونیورسٹی ایران، پی ایچ ڈی کے

لیے تشریف لے گئے۔ ۱۹۶۳ء میں پی ایچ ڈی مکمل کی۔ ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ بعد ازاں ”اقبال در راہ مولوی“ کے عنوان سے شائع ہوا۔ (۵۵) سید اکرم شاہ اکرام ۱۹۶۴ء میں شعبہ فارسی اور نیشنل کالج سے بحیثیت استاد منسلک ہوئے اور ۱۹۹۲ء میں ریٹائر ہو گئے۔ اپنی ریٹائرمنٹ تک کے سفر میں وہ صدر شعبہ فارسی، پرنسپل اور نیشنل کالج اور مسند نشین مسند جویری بھی رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد مسند اقبال پنجاب یونیورسٹی کی صدارت انھیں سونپ دی گئی جہاں انھوں نے بڑی محنت اور لگن کے ساتھ دن رات کام کیا۔ سید اکرم شاہ اکرام کا ایک اعزاز یہ ہے کہ وہ پروفیسر امیر بیطس ہیں اور حال ہی میں ۲۰۲۰ء میں فرہنگستان شہ قارہ تہران، ایران نے انھیں تاحیات اعزازی ممبر شپ دی ہے۔

اکرم شاہ صاحب کے فارسی زبان کے تین مجموعہ ہائے کلام چھپ چکے ہیں: پروانہ پندار (تہران ۱۹۶۳ء)، سکہ عشق (لاہور ۱۹۷۴ء) اور سفینہ سخن (اسلام آباد ۱۹۹۲ء)، ان کی شاعری نعت، منقبت، غزلیات، قصائد، مثنویات، متفرقات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ ان کی تحریریں رومی اور اقبال کا عکس نمایاں ہے۔ اکرم شاہ زمانہ طالب علمی سے ہی شعر کہتے تھے اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ لکھنے کے دوران رومی اور اقبال کا رنگ ان کے فکر و نظر پر مزید گہرا ہوا۔ ان کی کتاب سفینہ سخن سے ایک نظم ذیل میں درج ہے جس کا عنوان ”زبان فارسی“ ہے جو اکرم شاہ اکرام کی ایرانی شعرا سے دلی وجہ باقی وابستگی اور عقیدت کا اظہار ہے:

من برائے دوستانِ نکتہ دان	می سرایم داستانِ فارسی
از کلام ”رودکی“ آید ہمی	بوی جوی مولیانِ فارسی
کیست ”فردوسی“ مسیحای سخن	زندہ از او گشتہ جانِ فارسی
نغمہ پرداز طبیعت ”فرخی“ است	بلبل باغ چنانِ فارسی
”عنصری“ باشد شہرِ اقلیم شعر	شاعر صاحب قرانِ فارسی
شاہباز علم ”خیام“ آن فلور	بر فلک بست آشیانِ فارسی
نخل عرفان را ”سنائی“ کاشتہ است	آن حکیم حق نشانِ فارسی
”انوری“ شمع ادب را بر فروخت	شاعر روشن روانِ فارسی
مرد میدان سخن ”خاقانی“ است	شعر او باشد سنانِ فارسی
نظم را باشد ”نظامی“ مایہ یی	گنج اسرارِ نھانِ فارسی
از دم ”عطار“ آن روح لطیف	شد معطر بوستانِ فارسی
مثنوی مولوی معنوی	ہست قرآن در زبانِ فارسی

چون عراقی گفت از اسرار عشق	مولتان شد اصفهان	فارسی
”سعدی“ آمد گلستان شعر نغز	بوستانش ارمغان	فارسی
ہست شعر ”حافظ“ شیرین سخن	شاہکار جاودان	فارسی
جام ”جامی“ از می عرفان پُر است	تا بریزد در دہان	فارسی
فکر ”صائب“ می کند پرواز نیک	در فضای بی کران	فارسی
رہبر اہل سخن باشد ”بہار“	شاعر آخر زمان	فارسی
گرچہ بسیارند در ایران زمین	شاعران و ساحران	فارسی
کم نمی بینی تو در گلزار پاک	بلبلان نغمہ خوان	فارسی
تا معطر شد مشام جان ما	از دم عنبر فشان	فارسی
تا بہ ”راوی“ رفت از زاینده رود	موج دریای روان	فارسی
محفل ما حافظ اسرار اوست	بزم ما دارالامان	فارسی
یوسف مصر سخن ”مسعود سعد“	روشنی بخش جہان	فارسی
طوطی شکر شکن ”خسرو“ بود	نغمہ خوان گلستان	فارسی
طبع سرشار گھر ریز ”حسن“	ہست گنج شایگان	فارسی
برد ”عرفی“ بازی شعر جزیل	در ادب شد قہرمان	فارسی
بزم ما را کرد یکسر فیض یاب	”فیضی“ آن پیر مغان	فارسی
در خیال آمد ”نظیری“ بی نظیر	گوہر یکتای کان	فارسی
شمع شعر ”اکرام“ بر افروختم		

روشن است از من نشان فارسی (۵۶)

بلاشبہ متاخرین نے متقدمین کے فیضان سے روحوں کی آبیاری کی اور تضمین اور اظہار عقیدت کے خوبصورت ہدایا کی صورت میں تاریخ ادبیات کے اوراق کو مزین کیا۔

حوالے

- (۱) عبداللہ، سید، ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۹ء، صص ۱۸۵-۱۹۲
- (۲) رضوی، سبط حسن، فارسی گویان پاکستان، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۷۷ء، صص ۶۳-۶۴
- (۳) ایضاً
- (۴) احمد، ظہور الدین، پاکستان میں فارسی ادب، ج ۵، ادارہ تحقیقات پاکستان پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۰
- (۵) گرامی، غلام قادر، دیوان گرامی، شیخ مبارک علی اینڈ سنز، بی تا، ص ۱۰۶
- (۶) ایضاً، ص ۱۱۲ (۷) ایضاً، صص ۱۱۲-۱۱۳
- (۸) ایضاً (۹) ایضاً، صص ۱۳۹-۱۴۲
- (۱۰) ایضاً، ص ۸۵
- (۱۱) احمد، ظہور الدین، پاکستان میں فارسی ادب، ج ۵، ادارہ تحقیقات پاکستان پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۱۱۶
- (۱۲) اکرام، سید محمد اکرم شاہ، اقبال در راہ مولوی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۲
- (۱۳) ایضاً، ص ۳
- (۱۴) سالک، عبدالجید، ذکر اقبال، بزم اقبال لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۱۷
- (۱۵) احمد، ظہور الدین، پاکستان میں فارسی ادب، ج ۵، ادارہ تحقیقات پاکستان پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۹۴
- (۱۶) اکرام، سید محمد اکرم شاہ، اقبال در راہ مولوی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۸
- (۱۷) ایضاً، ص ۱۳ (۱۸) ایضاً، ص ۱۵
- (۱۹) اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۱۱
- (۲۰) ایضاً، ص ۷۹۶ (۲۱) ایضاً، ص ۷۲۵
- (۲۲) ایضاً، ص ۸۰۳ (۲۳) ایضاً، ص ۵۱۷
- (۲۴) اقبال، علامہ محمد، میکدہ لاہور، تصحیح و مقدمہ محمد بقائی ماکان، تہران، ۱۳۸۲ ش، ص ۴۹۵
- (۲۵) ایضاً، ص ۱۶۳ (۲۶) ایضاً، ص ۲۰۸
- (۲۷) ایضاً، ص ۵۵۶
- (۲۸) عبدالرشید، خواجہ، تذکرہ شعرا پنجاب، اقبال اکادمی، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۲۴۷

(۲۹) عظامی، عزیز الدین، کلیات عظامی، بکوشش رضی الدین احمد و معز الدین احمد، لاہور، ۱۸۸۵ء، مقدمہ، صفحہ ج

(۳۰) ایضاً (۳۱) ایضاً

(۳۲) ایضاً، مقدمہ، صفحہ ۹۷ (۳۳) ایضاً، ص ۹۷

(۳۴) ایضاً، ص ۱۶۹ (۳۵) ایضاً، ص ۳۲۴

(۳۶) سالک، عبدالحجید، راہ و رسم منزلہا، مرتبہ عبدالسلام خورشید، لاہور، ۱۹۶۰ء، ص ۱۹

(۳۷) خورشید، عبدالسلام، سالک نامہ، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۲۴

(۳۸) رضوی، سبط حسن، فارسی گوئیان پاکستان، مرکز تحقیقات ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۷۷ء، ص ۳۰۵

(۳۹) خورشید، عبدالسلام، سالک نامہ، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۲۴

(۴۰) سلج، محمد منیر، وفیات ناموران پاکستان، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۵۳۱

(۴۱) خورشید، عبدالسلام، سالک نامہ، ص ۲۱

(۴۲) مزید اطلاعات کے لیے مکتب: خورشید، عبدالسلام، سالک نامہ، صص ۲۱-۲۲

(۴۳) سالک، عبدالحجید، راہ و رسم منزلہا، مرتبہ عبدالسلام خورشید، لاہور، ۱۹۶۰ء، ص ۱۳۳

(۴۴) ایضاً

(۴۵) احمد، ظہور الدین، پاکستان میں فارسی ادب، ج ۶، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء،

ص ۱۵۴

(۴۶) ایضاً، ص ۱۵۷ (۴۷) ایضاً، ص ۱۵۴

(۴۸) ایضاً، صص ۱۵۷-۱۵۸ (۴۹) ایضاً، ص ۱۳۲

(۵۰) ایضاً (۵۱) ایضاً، ص ۱۳۳

(۵۲) عبدالرشید، خواجہ، تذکرہ شعرائے پنجاب، اقبال اکادمی کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۲۲۱

(۵۳) ضیاء، محمد ضیاء، نوای شوق، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۷۷ء، صص ۱۴۴-۱۴۶

(۵۴) عبدالرشید، خواجہ، تذکرہ شعرائے پنجاب، ص ۵۱

(۵۵) احمد، ظہور الدین، پاکستان میں فارسی ادب، ج ۶، ص ۲۲۵

(۵۶) اکرام، سید محمد اکرم، سفینہ سخن، رابڑنی فرہنگی جمہوری اسلامی ایران، ۱۹۹۲ء، صص ۲۱۱-۲۱۳

